ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی کتاب محاضرات قرآنی: تعارف وخصائص

* ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ڈاکٹر محمود احمد غازی کو اللہ جلّ شانہٗ نے گوناگوں صفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا.................آپ نے اپنی ساری زندگی قلم وقرطاس کی معیت میں گزاری.................علومِ اسلامیہ سے متعلق امہاتِ الکتب اور معاصر لٹریچر کا مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ اسی مشغلہ میں آپ نے اپنی شب روز کا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ عالمِ دُنیا سے رخصت ہوئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قرآنِ مجید کے حفظ سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا اور قرآن کے ساتھ مسلسل اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ قرآن مجید کی اہم تفاسیر کا مطالعہ آپ کے معمولات میں شامل تھا..........علوم القرآن کے مصادر و مآخذ کے محتویات اور اہم جوانب آپ کو ازبر تھے...............اس موضوع پر جب آپ گفتگو کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین، متاخرین اور معاصرین کے ذخائر آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ اُن سے حسب موقع اقتباس لے کر پیش کر رہے ہیں۔ ''محاضراتِ قرآنی'' دراصل ان بارہ خطبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے اپریل ۲۰۰۳ء میں اُن خواتین اساتذہ کے حلقہ میں پیش کیے جن کا تعلق تدریس قرآن سے ہے۔

ان محاضرات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت قاری پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے قرآنی علوم پر لکھے جانے والے علمی ذخیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ایک خاص تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔ قرآنِ مجید کے علوم اور مضامین پر اُردو زبان میں لکھی جانے والی کتب کی صف میں ڈاکٹر صاحب کے محاضرات پر مشتمل کتاب ''محاضراتِ قرآنی'' سہل اور سلیس انداز میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

اس بیان کا اندازہ ''محاضراتِ قرآنی'' کے درج ذیل محتویات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

- ⊙ خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ
- ⊙ خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف
- ⊙ خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

- ⊙ خطبہ چہارم: جمع وتدوین قرآن مجید
- ⊙ خطبہ پنجم: علم تفسیر ایک تعارف
- ⊙ خطبہ ششم: تاریخ اسلام کے چند عظیم مفسرین قرآن
- ⊙ خطبہ ہفتم: مفسرین قرآن کے تفسیری مناہج
- ⊙ خطبہ ہشتم: اعجاز القرآن
- ⊙ خطبہ نہم: علوم القرآن ایک جائزہ
- ⊙ خطبہ دہم: نظم قرآن اور اسلوب قرآن
- ⊙ خطبہ یازدہم: قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین
- ⊙ خطبہ دوازدہم: تدریس قرآن مجید دور جدید کی ضرورت اور تقاضے

سبب خطبات

مذکورہ بالا دس خطبات کے سبب اور ان کی ضرورت کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم، تاریخ وتدوین قرآن کریم اور علوم القرآن کے چند پہلوؤں پر یہ خطبات اپریل ۲۰۰۳ء میں خواتین مدرسات قرآن کے روبرو دیئے گئے۔ ان خطبات کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے میری بہن محترمہ عذرا نسیم فاروقی کو ہوا، جو اگرچہ عمر میں مجھ سے کم لیکن دینی حمیت، اخلاص اور للّٰہیت میں مجھ سے بہت آگے اور میرے جیسے بہت سوں کے لیے قابل رشک ہیں۔ وہ خود ایک عرصہ سے درس قرآن کا اہتمام کررہی ہیں۔ ۔ ۔''(۱)۔

اسلوب خطبات

خطبات کے اسلوب کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

''ان خطبات کی زبان تحریری نہیں تقریری ہے۔ انداز بیان عالمانہ اور محققانہ نہیں داعیانہ اور خطیبانہ ہے۔ چونکہ خطبات کا کوئی متن پہلے سے تیار شدہ نہ تھا اس لیے انداز بیان میں خطیبانہ رنگ کہیں کہیں بہت نمایاں ہوگیا ہے۔ نظر ثانی کے دوران میں اس انداز کو بدلنا طویل وقت کا متقاضی تھا۔ اس لیے اس کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔''(۲)

محاضرات قرآنی کے خصائص

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے خطبات ومحاضرات (لیکچرر) پر مبنی کتاب ''محاضرات قرآنی'' کا بغور اور تسلسل سے مطالعہ کے دوران جو جو خصائص سامنے آتے گئے انہیں اس مقالہ میں پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ محاضرات قرآنی کی سب سے پہلی خوبی یہ ہے کہ اس کے آغاز میں جہاد، خواہ بالسیف ہو یا بالقرآن کے تصور اور جذبے کو اجاگر کیا گیا ہے اور جہاد بالقرآن کے اثر کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہاد، اسلام کا ایک بنیادی ستون ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے جہاد اسلام کا ذروۃ سنام ہے۔ جیسا کہ آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کے ستونوں اور ارکان کا تذکرہ بھی احادیث مبارکہ میں ملتا ہے۔ لیکن اس عمارت کا سب سے بڑا اور سب سے بلند برج اور سب سے اونچا کنگرہ جہاد ہے۔ جس کو ذروۃ سنام الاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد صرف تلوار سے ہی نہیں بلکہ علمی اور فکری اسلحہ سے بھی لڑا جاتا ہے۔ اس کا انداز اور طریقہ کار ہر جگہ اور ہر وقت ایک جیسا نہیں ہوتا، بلکہ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اس کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ وہ عملی انداز کا بھی ہوتا ہے اور علمی اور فکری انداز کا بھی ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاد بالسیف کا تذکرہ ہے جو جہاد کی سب سے اعلیٰ اور ارفع قسم ہے، وہیں علمی اور فکری جہاد کا بھی تذکرہ آیا ہے، ارشاد گرامی ہے، ﴿**وجاهد هم به جهاداً كبيرا**﴾۔ یہ رسول ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے خلاف یعنی کفار عرب کے خلاف قرآن مجید سے جہاد کریں۔ یہاں اس جہاد کو جہاد کبیر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے ذریعہ سے جو جہاد کیا جائے گا وہ نہ صرف نص قرآنی کی رو سے علمی اور فکری جہاد ہوگا بلکہ وہ جاد کبیر بھی کہلائے گا۔

یہ جہاد بالقرآن وہ جہاد ہے جس کے نتیجہ میں مجاہدین کی ایک پوری نسل تیار ہوتی ہے، اسی کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ کی ایک مضبوط علمی، فکری اور روحانی بنیاد استوار ہوتی ہے اور اسی کے نتیجے میں لوگوں کے جسم خاکی نہیں بلکہ روح وقلب فتح ہوتے ہیں۔ تلوار کے جہاد سے لوگوں کی گردنوں کو فتح کیا جاتا ہے، لیکن قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد کیا جاتا ہے اس سے لوگوں کے دل، ان کی روحیں اور ان کے قلب ودماغ متاثر ہوتے ہیں، اس لیے بجا طور پر یہ جہاد کبیر کہلائے جانے کا مستحق ہے۔(۳)

۲۔ اس کتاب میں ایک اہم اصول کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تدریس کے لئے عصر حاضر میں مروجہ اسالیب ومناہج اور ان کے استعمال کے اغراض ومقاصد کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تا کہ ہر معلم،

خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں تدریس قرآن کے عمل کو بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ اس اصول کو ڈاکٹر غازیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''جب ہم تدریس قرآن مجید کا ایک منہاجی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید کی تدریس کے آج کل کون کون سے طریقے رائج ہیں، ان طریقوں میں کیا کیا مقاصد کارفرما ہیں اور ہمارے پیش نظر جو مقاصد ہیں ان کو حاصل کرنے لیے تدریس قرآن کے اس عمل کو زیادہ سے زیادہ بہتر کیسے بنایا جائے۔

منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جو کسی ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے یا کسی بڑے عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے شریعت کے ساتھ ساتھ منہاج کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ منہاج سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم پر عملدرآمد کرنے کے لیے جو طریق کار اور اسلوب اختیار کیا جائے وہ کیا ہو، اس کے تقاضے کیا ہوں اور اس کی تفصیلات کو کیسے مرتب اور مدون کیا جائے (۴)۔

۳۔ اس کتاب میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے اغراض و مقاصد کے تعین کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کو قرآن مجید کا مطالعہ کیوں کیسے اور کس لیے کرنا چاہئے!(۵)۔

غیر مسلموں کے لئے مطالعہ قرآن کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک انصاف پسند غیر مسلم اگر قرآن مجید پر نظر ڈالے گا اور قرآن مجید کی تاریخ اور انسانیت پر اس کتاب کے اثرات کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کتاب کا مطالعہ اس کے لیے بھی شاید اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس نے انسانیت کی تاریخ پر اتنا گہرا اثر ڈالا ہو جتنا قرآن مجید نے ڈالا ہے(۶)۔

۴۔ اس کتاب میں ماضی اور حال میں لوگوں میں پائی جانے والی ایک بہت بڑی اور خطرناک غلط فہمی کی نشاندہی کر کے اس سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ صاحب کتاب فرماتے ہیں:

''نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی تھی (جو کسی حد تک اب بھی پائی جاتی ہے) کہ ہر وہ چیز جو انسانوں کو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے وہ اپنے اندر خاص قسم کے مافوق الفطرت اثرات اور قوتیں رکھتی ہے۔ یہ غلط فہمی انسانوں میں بہت پہلے کم علمی اور جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ ہر وہ قوت جو اس کی نظر میں مافوق الفطرت حیثیت رکھتی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ نہ صرف اس کا احترام کیا جائے بلکہ اس کی تقدیس

بھی کی جائے۔ چنانچہ انسانوں ں نے ہر نافع اور ضار چیز کو مقدس سمجھنا شروع کر دیا۔ آگے چل کر یہ احترام اور یہ تقدیس بڑھتے بڑھتے عبادت کے درجہ تک جا پہنچا'' (۷)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''یوں ہوتے ہوتے ہر کائناتی قوت محترم اور مقدس قرار پا جاتی، پھر اس کی پوجا کی جانے لگتی ہے اور اس کو بالآخر معبود کے درجہ پر فائز کر دیا جاتا ہے....'' (۸)۔

۵۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں تحقیق کے ایک اہم اصول کو بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ''تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں''۔ اس اصول کی توضیح ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''یہ ہمیشہ یاد رکھیے گا (کہ) تحقیق ممکن ہے امکان تسخیر کے ساتھ جس چیز کو مسخر کرنے کا آپ کے اندر جذبہ پیدا ہو اور آپ کو یقین ہو کہ آپ اسے مسخر کر سکتے ہیں وہی چیز آپ کی تحقیق کا موضوع بنے گی۔ لیکن جس چیز کے گرد تکریم و تقدیس کا ہالہ چھایا ہوا ہو اس کی تحقیق نہیں ہوتی۔ آپ میں سے بہت سی خواتین کا تعلق میڈیکل سائنس کے شعبہ سے بھی ہے۔ میڈیکل سائنس میں مردہ لاشوں کو چیر پھاڑ کر دیکھا جاتا ہے، مردہ جسم پر تحقیق کی جاتی ہے اور طلبہ کو بتایا جاتا ہے کہ انسانی جسم کس طرح کام کرتا ہے؟ لیکن میڈیکل سائنس کا طالبعلم اپنے باپ کی میت کو اس تحقیق کے لئے استعمال نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی اس سے ایسا کرنے کو کہے گا تو اس پر جھگڑے گا، فساد کرے گا، اور شاید مار پٹائی تک نوبت آ جائے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ باپ کے ساتھ جو تقدس اور احترام کا تعلق ہے وہ اس تحقیق کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ کسی اجنبی انسان کے ساتھ وہ احترام اور تقدس وابستہ نہیں ہوتا جو باپ کی مردہ لاش سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس لے اس کی Dissection اور تحقیق میں کوئی شخص تامل نہیں کرتا'' (۹)۔

۶۔ اس کتاب میں انسانیت پر قرآن مجید کی عطاؤں، رحمتوں اور احسانوں کو ایک عمدہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی مثال کہیں اور نہیں ملتی جیسے انسانی وحدت و مساوات کا واضح اور دوٹوک اعلان، عقل و وحی اور مذہب و علم کے درمیان توازن اور امتزاج، علمی منہاج اور طرز استدلال وغیرہ (۱۰)۔

۷۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی کی اساس قرار دیتے ہوئے اس کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں:

''مسلمان کو قرآن مجید کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہئے کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے، جس عالمی برادری کو ہم امت مسلمہ کہتے ہیں (جس کے لیے کبھی کبھی ملت اسلامیہ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔اس کی اساس صرف قرآن مجید ہے، قرآن مجید کے علاوہ امت مسلمہ کی اور کوئی اساس نہیں ہے۔قرآن مجید ہمارے پاس دو شکلوں میں آیا ہے:

۱۔ قرآن ناطق، یعنی بولتا قرآن

۲۔ قرآن صامت، یعنی خاموش قرآن

قرآن صامت (یعنی خاموش قرآن) جو یہ کتاب ہے جو خود تو نہیں بولتی لیکن ہم اسے پڑھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔قرآن ناطق یعنی بولتا قرآن وہ ذات گرامی ہے، علیہ الصلاۃ والتحیہ، جس نے قرآن مجید کو دنیا تک پہنچایا، اس کی تفسیر وتشریح کی اور اس قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔۔۔(۱۱)۔

۸۔ کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی تدریس میں مخاطبین کی ذہنی وعلمی استعداد کا لحاظ رکھنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''درس قرآن کے اسلوب اور منہاج پر بات کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور خیال رکھنا اور دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اس درس کے مخاطبین کون ہیں۔مخاطبین کا لحاظ رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مخاطبین کی بہت سی علمی اور فکری سطحیں ہوتی ہیں، بہت سے پس منظر ہوتے ہیں اور ان سب کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔بعض اوقات درس قرآن کا مخاطب ایک عام تعلیم یافتہ شہری ہوتا ہے، اس کے تقاضے اور ضروریات اور ہوتے ہیں۔۔اس لئے پہلے یہ تعین کر لینا چاہئے کہ ہمارا ہدف کیا ہے اور ہم کس طبقہ کو خطاب کرنا چاہتے ہیں، جس طبقہ اور جس معیار کے لوگوں سے بات کرنی ہو اس طبقہ کے فکری پس منظر، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات، اس طبقہ میں اٹھائے جانے والے سوالات، ان شبہات وسوالات کا منشا پہلے سے ہمارے سامنے ہونا چاہیے''(۱۲)۔

۹۔ کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے نزول قرآن کے درج ذیل تین مقاصد کو بیان کر کے آسان الفاظ میں ان کی توضیح کی گئی ہے:

الف۔ تہذیب نفوس البشر کے انسانوں کے نفوس کی اندر سے تہذیب ہو۔

ب۔ دمغ العقائد الباطلۃ، یعنی وہ تمام باطل عقائد جو لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں، وہ مسلمانوں کے ذہن ہوں یا غیر مسلموں کے ان سب باطل عقائد کی تردید کی جائے۔

ج۔ نفی الأعمال الفاسدہ، یعنی جو اعمال فاسدہ انسانوں میں رائج ہیں، چاہے ان کی بنیاد کسی غلط عقیدے پر ہو یا نہ ہو، ان اعمال کی غلطی کو واضح کیا جائے، اور ان کو مٹانے اور درست کرنے کی کوشش کی جائے۔۔۔(۱۳)۔

یہ تین وہ مقاصد ہیں جو درس قرآن کے اصل مقاصد ہیں اور یہی مقاصد رہنے چاہیں، چاہے درس قرآن کسی بھی سطح کا ہو، چاہے وہ امام رازی رحمہ اللہ کی سطح کا درس قرآن ہو، یا ہماری اور آپ کی سطح کا، اس کے یہ تین مقاصد لازماً ہوں گے۔ انسان کے نفس کی تہذیب کی ہر وقت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ تہذیب نفس اور تزکیہ روح کی کوئی انتہا نہیں نفس کی جتنی بھی تہذیب اور روح کا جتنا بھی تزکیہ ہوتا چلا جائے گا، اس سے اونچا ایک معیار ہمیشہ موجود رہے گا(۱۴)۔

۱۰۔ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے دیگر علوم سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے، ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید کو نہ کسی بنیاد کی ضرورت ہے، نہ بیساکھیوں کی، قرآن مجید بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی فراہم کرتا ہے اور تعلیم کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید خود اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔ باقی علوم قرآن مجید کے محتاج ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کا علم حاصل نہیں کیا، یا آپ نے علم الکلام نہیں پڑھا۔ اس لیے آپ کو درس قرآن کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہیے۔ میرا ناچیز کا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس وسوسہ میں نہ پڑیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ میں خود فقہ کا طالب علم ہوں، فقہی موضوعات پر ہی پڑھتا اور پڑھاتا ہوں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن فہمی فقہ کی محتاج نہیں، یہ تمام علوم قرآن پاک کے محتاج ہیں قرآن ان میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے آپ کسی کی پروا کیے بغیر اپنا کام جاری رکھیں(۱۵)۔

۱۱۔ اس کتاب کی ایک منفرد خوبی یہ ہے کہ اس میں انسان کے مطالعہ کی نوعیت کے لحاظ سے تفسیروں کو پڑھنے کا مشورہ دیا گیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ا۔ ''اگر کوئی ادب کا طالب علم ہو تو اس کو قرآن مجید کے ادبی محاسن کی کوئی کتاب دیجیے۔ مثلاً سید قطب رحمہ اللہ کی کتاب ہے ''مشاہد القیامہ فی القرآن''۔ اس کو پڑھ کر قرآن مجید کی ادبی عظمت کا اعتراف ہوگا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن مجید کے لغوی معنوی حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا بشرطیکہ وہ اس کے دائرے میں آجائے''(۱۶)۔

۲۔ ''اگر کسی نے مغربی افکار اور نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تو آپ اسے عبدالماجد دریابادی کی تفسیر پڑھنے کا مشورہ دیں جو ایک جلد میں ہے۔لیکن بڑی غیر معمولی اور عمدہ تفسیر ہے'' (۱۷)۔

۳۔ اگر کوئی شخص تقابل ادیان میں دلچسپی رکھتا ہے تو ایک تفسیر حقانی ہے،، انیسویں صدی کے اواخر میں ایک بزرگ تھے مولانا عبدالحق حقانی، یہ ان کی تفسیر ہے،، (۱۸)۔

۴۔ اگر کوئی انگریزی ادب کا دلدادہ ہے اور مغرب کی نفسیات کا طالب علم ہے تو پھر آپ اسے عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر دیں (۱۹)۔

پھر فرماتے ہیں:

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلے آدمی کا ذوق اور مزاج دیکھ لیں اور اس کے مطابق اسے پڑھنے کے لئے کتابیں دیں۔اگر اس کے دل میں ہدایت کا بیج ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو یقیناً اسے ہدایت حاصل ہوگی (۲۰)

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے اسباب ومحرکات کو معلوم کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ شخص کیسے اس فتنہ میں مبتلا ہوا ہے پھر اسباب کی روشنی میں اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا کوئی ممکنہ علاج تجویز کیا جائے، چنانچہ آپ دہریت کے فتنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص دہریت کے فتنے میں گرفتار ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اس فتنہ میں کیوں مبتلا ہوا، اور وہ کون سے اسباب ومحرکات تھے جو اس فتنہ کا ذریعہ بنے۔سبب معلوم کرنے کے بعد علاج آسان ہو جاتا ہے......،، (۲۱)۔

۱۲۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کی عمومیت، شمولیت، اکملیت اور آفاقیت کو نہایت عمدہ اور سہل انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔اس حقیقت پر ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کا یہ بیان واضح طور پر دلالت کرتا ہے، فرماتے ہیں:

''قرآن مجید۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔یہ مسلمانوں کے لیے قیامت تک ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ایک اسلامی معاشرے میں تمام اصولوں اور معاشرتی قوانین کا مآخذ ومصدر اوّلیں یہ کتاب ہے۔اس اسلامی ریاست میں یہ کتاب ایک برتر قانون اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن مجید ایک ایسا ترازو اور پیمانہ ہے جس کی بنیاد پر حق وباطل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔یہ وہ فرقان ہے جو ہر صحیح کو ہر سقیم سے الگ کر سکتی ہے۔یہ کتاب مسلمانوں کے لیے

بالفعل براہ راست، اور پوری انسانیت کے لیے بالقوۃ ایک نظام ہدایت ہے۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پرکھ کر کھرے اور کھوٹے کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نظام ہدایت ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے ہے، جس کی پیروی ہر زمان اور ہر مکان کے انسانوں کو پیش آنے والے ہر معاملہ میں روحانی ہدایت اور اخلاقی وتشریعی راہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ اس کتاب کی مدد سے مکارم اخلاق کے معیارات رہتی دنیا تک کے لئے مقرر کئے جاتے رہیں گے''(۲۲)۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''یہ کتاب علوم و معارف کا ایک لامتناہی گنجینہ ہے۔ یہ رہتی دنیا تک کے لیے کتاب ہدایت اور دستور العمل ہے۔ اگر اس میں ہر دور کے لیے راہنمائی کا سامان موجود ہے تو ہر دور کے اہل علم کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے انسانوں کے لیے اس کتاب کی تعبیر و تفسیر کا فرض انجام دیں واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید معانی و مطالب اور حقائق و معارف کا ایک ایسا لامتناہی سمندر ہے جس کے نہ معانی اور مطالب کی کوئی حد ہے اور نہ اس کے حقائق و معارف کی کوئی انتہا ہے''(۲۳)۔

جہاں تک قرآن مجید سے ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے اور اسے سمجھنے کے لیے قرون اولی سے مروجہ اصولوں اور ضابطوں کا لحاظ رکھا جائے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کتاب سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے اور منطبق کرنے میں ان اصولوں اور قواعد کی پابندی کی جائے جو حضور ﷺ کے زمانے سے تفسیر و تشریح قرآن کے لئے برتے جارہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی طرز عمل اور امت اسلامیہ کے اجتماعی رویہ،، تعامل اور فہم قرآن کی رو سے تفسیر قرآن کے لئے ایسے مفصل اصول اور قواعد طے پا گئے ہیں جن کی پیروی روز اول سے آج تک جاری ہے (۲۴)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''ان اصولوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ جس طرح کتاب الٰہی کا متن محفوظ رہا، اس کی زبان محفوظ رہی، اسی طرح اس کے معانی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریف اور اشتباہ سے محفوظ رہے، اور اس بات کا اطمینان رہے کہ کوئی شخص نیک نیتی یا بد نیتی سے اس کتاب کی تعبیر و تشریح طے شدہ

اصولوں سے ہٹ کر من مانے انداز سے نہ کرنے لگے'' (۲۵)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

> '' قرآن مجید کو من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف قرآن میں اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ اس سے گمراہ بھی ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اس سے ہدایت بھی پاتے ہیں'' (۲۶)۔

۱۳۔ محاضرات قرآنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''علوم القرآن'' اور علم تفسیر بعض اعتبار سے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور بعض اعتبار سے یہ دونوں الگ الگ علوم ہیں۔ یہ دونوں اس اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں کہ جن علوم و معارف کو علوم القرآن کہا جاتا ہے۔ ان سب سے علم تفسیر ہی میں کام لیا جاتا ہے۔ وہ گویا علم تفسیر کے اوزار اور آلات ہیں۔ یہ وہ وسائل ہیں جن سے کام لے کر قرآن مجید کی تفسیر اور تعبیر کی جاتی ہے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ تفسیر سے الگ ہیں کہ یہ تفسیر میں کام آنے والے آلات و ذرائع ہیں، خود تفسیر نہیں ہیں۔ تفسیر اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے قواعد اور اصول تفسیر کا انطباق کر کے قرآن مجید کے معانی دریافت کیے جائیں'' (۲۷)۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ '' یہ جو مختلف علوم و فنون یا آلات و وسائل ہیں ان میں بہت سی وہ چیزیں شامل ہیں جن کو جانے بغیر یا جن سے کام لیے بغیر تفسیر قرآن کے عمل میں پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر خود نزول کی تفصیلات کہ کون سی آیت کیسے نازل ہوئی، قرآن مجید میں جو قصص بیان ہوئے ہیں ان کا پس منظر کیا ہے، وہ کیوں بیان ہوئے، کوئی خاص حکم کب، کیوں اور کن حالات میں نازل ہوا، یہ سب امور جو اسباب نزول کہلاتے ہیں، ان کا گہرا علم بہت سے معاملات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح یہ تعین کہ کون سی آیت مکی ہے اور کونسی مدنی، یہ اور اس طرح کے بہت سے علوم و مسائل ہیں جن کو مجموعی طور پر علوم القرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۲۸)۔

۱۴۔ محاضرات قرآنی میں تفسیر قرآن کے حوالے سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ''تفسیر قرآن کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو امت کے اجتماعی طرز عمل کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اجتماعی طرز عمل ہر دلیل سے بڑھ کر اور ہر شک و شبہ سے ماوراء ہے۔ اس کو اسی طرح قطعیت حاصل ہے جس طرح قرآن مجید کو حاصل ہے۔ نمازیں پانچ ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ ان چیزوں کو رسول ﷺ نے محض بیان فرمانے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ یا صرف لکھوا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ ﷺ نے کم و بیش ڈیڑھ لاکھ صحابہ کو عملی تربیت دے دی کہ وہ

اس طرح سے نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ پھر ان ایک ڈیڑھ لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مزید لاکھوں تابعین کو تربیت دی۔ تابعین رحمہم اللہ نے آگے چل کر دسیوں لاکھ، بلکہ شاید کروڑوں تبع تابعین کو تربیت دے دی۔ اس طرح یہ سب چیزیں اجتماعی نقل اور اجتماعی عمل کے ذریعہ سے آگے منتقل ہو رہی ہیں (۲۹)۔

۱۵۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں قرآن مجید کے ترجمہ کو اس کی تفسیر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''ترجمہ قرآن بھی تفسیر قرآن کا ایک اہم حصہ ہے، ترجمہ بھی ایک طرح کی تفسیر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک آپ قرآن مجید کی کسی آیت کو سمجھ کر اس کا مطلب متعین نہ کریں اس کا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ترجمے کے لیے بھی فہم کی ایک سطح درکار ہے۔ جہاں جہاں قرآن مجید کی تفسیر کو سمجھنا ضروری ہے وہاں تفسیر سمجھے بغیر ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ جہاں تاویل کرنی ہے۔ وہاں تاویل کے بغیر ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تفسیر اور تاویل کی ایک کم از کم سطح ترجمے کے لیے بھی ضروری ہے (۳۰)۔

۱۶۔ محاضرات قرآنی مین ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والے کے لیے کچھ شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے، فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید کا ترجمہ کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہوسکتا۔ ترجمہ کرنے میں اتنی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جب تک قرآن مجید کے مضامین پر بہت اچھی گرفت نہ ہو براہ راست کسی آدمی کا ترجمہ کے لیے قلم اٹھانا نہ صرف ایک بڑا دشوار اور مشکل کام ہے، بلکہ ایک بہت بڑی جسارت بھی ہے۔ ترجمہ کے لیے ضروری ہے کہ خود قرآنی زبان پر عبور ہو۔ احادیث پر عبور ہو۔ پھر جس زبان میں آپ ترجمہ کر رہے ہوں اس زبان پر عبور ہو۔ اور اس زبان کی نزاکتوں کا اندازہ ہو۔ پھر جہاں، جس زمانہ میں اور جس علاقے میں آپ ترجمہ کر رہے ہیں، اس زمانہ کا محاورہ آپ کو پتہ ہو۔ اور وہاں کے رسم و رواج کا آپ کو علم ہو۔ بعض اوقات ایک خاص رواج کے پس منظر میں آپ ایک بات کو ایک انداز سے کہیں گے تو اس کا مطلب اور ہوگا۔ لیکن اسی بات کو کسی دوسرے ماحول میں اسی انداز سے کہیں گے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ لغت میں دونوں کی گنجائش ہوگی۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت ان چاروں چیزوں کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے'' (۳۱)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

''۔ ۔ ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ترجمہ بھی تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے اور تفسیر ہی کا ایک ذیلی اور چھوٹا سا شعبہ ہے۔ اس لیے جس طرح مفسر قرآن کے لیے بہت سی چیزیں ضروری ہیں۔ اسی طرح مترجم قرآن کے لیے بھی بہت سی چیزیں ضروری ہیں'' (۳۲)۔

پھر خطبہ دوازدہم میں فرماتے ہیں:

''ایک اور چیز جو درس قرآن کے حلقوں کو منظّم اور مرتب کرنے میں پیش آتی ہے اور جس پر تھوڑی سی گفتگو کی ضرورت ہے وہ قرآن مجید کا متن اور ترجمہ ہے۔ یاد رکھیے کہ عربی متن ہی دراصل قرآن ہے۔ اور جو ترجمہ ہے وہ بھی دراصل تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے۔ یعنی ایک مترجم نے اپنی فہم کے مطابق قرآن پاک کو سمجھا اور اس کا ترجمہ کیا۔ ۔ ۔ تفسیر کے لیے جو چیزیں درکار ہیں وہی قرآن مجید کے ترجمہ کے لیے بھی درکار ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص عربی زبان نہیں جانتا تو وہ براہ راست قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کر سکتا'' (۳۳)۔

پھر فرماتے ہیں کہ

''۔ ۔ ۔ جب تک (قرآن مجید) پڑھنے والے کی براہ راست وابستگی قرآن مجید کے ساتھ نہیں ہو گی اس وقت تک یہ کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گی۔ یہ وابستگی متن سے ہونی چاہیے، کتاب الٰہی کے الفاظ سے ہونی چاہیے۔ کسی مترجم یا مفسر کے ترجمہ سے وابستگی ضروری نہیں۔ ترجمہ قرآن مجید کی خدمت کے لیے ہے۔ وہ قرآن کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اصل چیز قرآن مجید کا متن ہے جو معجز ہے، منزل من اللہ ہے۔ معانی اور مطالب کا سمندر ہے'' (۳۴)۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''۔ ۔ ۔ اگر متن کو نظر انداز کر دیا جائے اور ساری توجہ ترجمہ پر مرکوز کر دی جائے تو گویا ایک طرف تو ہم نے ایک انسان کی فہم کو قرآن مجید کے قائم مقام کر دیا جو بہت بڑی جسارت بلکہ بے ادبی ہے۔ دوسری طرف ہم نے قرآن کی وسعتوں کو ترجمہ کی تنگنائیوں میں محدود کر ڈالا۔ کوئی کتنا ہی بڑا انسان ہو حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا صحابی جلیل کیوں نہ ہو۔ اس سے قرآن کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے'' (۳۵)۔

۱۷۔ محاضرات قرآنی کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے مفسرین کے بارے

میں مطالعہ کرنے یا گفتگو کرنے کی درج ذیل دو وجوہات کا تعین کیا گیا ہے:

الف۔ ''پہلی وجہ یہ ہے کہ تفسیری ادب میں جس طرح سے اور جس تیزی کے ساتھ وسعت پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ پورے قرآن مجید کے باقاعدہ اور مکمل تفسیروں کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں تفسیری موضوعات پر مشتمل تیار ہوئیں اور آئے دن تیار ہو رہی ہیں۔ ان میں سے بعض تفسیروں میں ایسی چیزیں بھی شامل ہوگئی ہیں جو صحیح اسلامی فکر کی نمائندہ نہیں ہیں۔ قرآن مجید کے طلباء کو ان تمام رجحانات اور اسالیب سے باخبر اور متنبہ رہنا چاہیے۔ اس لیے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ چند ایسے نامور، مستند اور رجحان ساز مفسرین قرآن کا تذکرہ کیا جائے جو تفسیر کے پورے ذخیرے میں نمایاں اور منفرد مقام بھی رکھتے ہیں اور صحیح اسلامی فکر کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ یہ وہ بالغ نظر اور تاریخ ساز مفسرین قرآن ہیں جنہوں نے قرآن مجید کے علوم کی نشر و اشاعت میں انتہائی مفید اور تعمیری کردار ادا کیا ہے ،جن کے کام کے اثرات، نتائج اور ثمرات آج پوری دنیا کے سامنے ہیں، اور جن کے اخلاص اور برکت عمل سے آج قرآن مجید کے معانی اور مطالب اپنی اصل شکل میں ہم تک پہنچے ہیں اور ہمارے پاس موجود ہیں۔

ب۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ قریب قریب تمام بڑے اور نمایاں مفسرین قرآن تفسیر کے مختلف رجحانات کی نمائندگی اور فہم قرآن کے مختلف اسالیب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بعض تفسیریں ایسی ہیں جو انتہائی جامع انداز کی ہیں، اور ان میں تمام بنیادی رجحانات کو سمو لیا گیا ہے۔ کچھ تفسیریں ایسی ہیں جو علم تفسیر کے کسی خاص رجحان یا اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور اگر قرآن کے طلباء اس خاص رجحان یا اسلوب سے واقفیت حاصل کرنا چاہیں تو وہ تفسیریں ان کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ لیکن ان طلباء کے لیے ان تفاسیر کی افادیت نسبتاً کم ہوگی جو قرآن مجید سے صرف عمومی اور ضروری واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تفسیر کے کسی متعین اسلوب سے دلچسپی نہیں رکھتے'' (۳۶)۔

۱۸۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ اپنے قرآنی محاضرات میں تفسیری رجحانات کی حتمی تعداد کے تعین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ تعین تو قطعی طور پر کرنا ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں کل کتنے رجحانات پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ جب تک انسانی ذہن کام کرتا رہے گا، نئے نئے رجحانات پیدا ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ خود بیسویں صدی میں کئی نئے رجحانات سامنے آئے، جب تک انسان روئے زمین پر

موجود ہے اور قرآن مجید کے ماننے والے موجود ہیں وہ قرآن مجید کے نئے نئے مطالب اور معانی پر غور کرتے رہیں گے اور یوں علم تفسیر کے نئے نئے اسالیب، نئے نئے مناہج اور نئے نئے رجحانات سامنے آتے رہیں گے"(۳۷)۔

۱۹۔ محاضرات قرآنی کی ایک عمدہ خوبی یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مطالعہ قرآن اور تفسیر قرآن کی مختلف النوع جہات کی نشاندہی کی ہے۔ان جہات کی روشنی میں قرآن وتفسیر کے متعلق تحقیق کرنے والے طلبہ وطالبات تحقیق کے لیے موضوعات کا انتخاب کر سکتے ہیں، فرماتے ہیں:

"۔۔۔مطالعہ قرآن مجید کے ابھی اتنے اچھوتے میدان موجود ہیں جن میں ابھی غوطہ زنی شروع بھی نہیں کی گئی۔نہیں کہہ سکتے کہ ابھی علوم قرآن کے کتنے صدف اور ان میں کتنے گوہر پنہاں ہیں۔قرآنی حقائق و معارف کے سمندروں میں غوطہ زنی۔۔۔جو نہیں ہوئی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جواب تک ہوئی ہے"(۳۸)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے ساتھ پیش آنے والے نومسلم موسیقار کے عجیب وغریب واقعہ (۳۹) کا حوالہ دینے کے بعد ڈاکٹر غازی فرماتے ہیں کہ:

"اس واقعہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی جو صوتیات ہے، یہ علم وفن کی ایک ایسی دنیا ہے جس میں کوئی محقق آج تک نہیں اترا ہے۔اور نہ ہی قرآن مجید کے اس پہلو پر اب تک کسی نے اس انداز سے غور وخوض کیا ہے۔ اس واقعہ کے سننے تک کم از کم میرا تاثر کیا خیال بھی یہی تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بہت اچھی طرح پڑھتا ہے، غنہ اخفا، اظہار وغیرہ کا خیال کرتا ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے۔لیکن اس فن کی اتنی زیادہ اہمیت سے میں اس سے قبل واقف نہیں تھا۔اب معلوم ہوتا ہے کہ تجوید کا یہ فن بھی بے حد اہم چیز ہے(۴۰)۔

ایک اسلام دشمن شخص کا واقعہ (۴۱) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ:"۔۔۔ابھی قرآن مجید پر غور وخوض کے نئے نئے دروازے کھلنے ہیں اور نئے نئے رجحان پیدا ہونے ہیں"(۴۲)۔

۲۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کے موجود ہونے سے اس حقیقت پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب سے مواد لینے میں کسی بھی قسم کا تعصب نہیں کیا ہے، فرماتے ہیں:

"اسرائیلیات کے بارہ میں اس اخذ وقبول سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مزاج علمی توسع کا ہے۔ یعنی وسعت علمی اور وسعت نظری ہمیشہ مسلمانوں کا خاصہ رہی ہے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی دوسروں سے کوئی علمی چیز

حاصل کرنے میں کسی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ماضی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسیحی مصنف نے یا کسی یہودی یا ہندو مصنف نے اپنی کسی مذہبی کتاب کی شرح یا تائید میں مسلمانوں کے کسی نقطۂ نظر کو بیان کیا ہو اور اپنی کسی مذہبی چیز کی تائید میں قرآن پاک یا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے کام لیا ہو۔ اس سے ان کے تعصب کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسی شاید ایک بھی مثال نہیں ملے گی کہ کسی بڑے مفسر قرآن نے قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح بیان کرنے میں دوسروں بالخصوص اہل کتاب کی مذہبی کتابوں کا حوالہ نہ دیا ہو۔ اس سے مسلمانوں کی وسعت ظرفی کا بھی پتا چلتا ہے اور عدم تعصب کا بھی اندازہ ہوتا ہے (۴۳)۔

۲۱۔ محاصرات قرآنی میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں موازنہ کر کے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی عمومیت اور شمولیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

". . . اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جس علاقہ میں جو معجزہ بھیجا جائے وہ اس علاقے کے اعلیٰ ترین انسانی کمال سے ماوراء اور اس کی عظمت کی انتہاء سے بہت آگے ہو۔ اور لوگ تسلیم کر لیں کہ یہ ہمارے بس سے باہر کی چیز ہے ۔ ایک بنیادی صفت تو معجزہ کی یہ ہے۔ دوسری صفت جو پہلے تمام معجزات میں مشترک رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت رہی ہے کہ جب تک اور جس علاقے میں کسی نبی کی نبوت کارفرما رہی، اس وقت تک وہ معجزہ بھی باقی رہا۔ اور جب نبوت کا دور ختم ہوا تو معجزہ بھی ختم ہو گیا۔ تیسری صفت یہ تھی کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کو حسی معجزات عطا فرمائے گئے جن کو انسان اپنے ظاہری حواس سے محسوس کر سکتا تھا کہ یہ معجزہ ہے۔ چوتھا اہم وصف یہ تھا کہ بقیہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات وقتی معجزات تھے، جو ایک خاص زمانہ کے بعد ختم ہو گئے۔ آج ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا عصا پھینکتے تھے تو وہ اژدہا بن جایا کرتا تھا۔ لیکن آج نہ وہ عصا ہے اور نہ وہ اژدہا ہے۔ ہم میں سے کسی نے نہ وہ عصا دیکھا اور نہ وہ اژدہا دیکھا۔ اس لیے یہ معجزہ صرف اس دور کے لیے تھا۔ وہ دور گزرا تو وہ معجزہ بھی ختم ہو گیا۔

اس کے برعکس رسول ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہ آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا پیش کردہ وہ معجزہ بھی باقی ہے، جو اس نبوت کی تصدیق اور دلیل کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ جب تک حضور ﷺ کا دین باقی ہے، آپ ﷺ کا معجزہ بھی باقی رہے گا۔ قرآن مجید حضور ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس اعتبار سے منفرد ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نبوت کی تائید و تصدیق میں جب بھی کوئی چیز پیش فرمائی تو وہ قرآن ناطق اور قرآن صامت ہے۔ ان دونوں کے علاوہ جتنے معجزات بھی آپ ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے ان کو رسول ﷺ نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں فرمایا۔ سیرت کے بہت سے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ

آپ ﷺ نے کسی بھی غیر مسلم کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر کوئی حسی چیز پیش نہیں فرمائی۔صرف اپنی شخصیت اور قرآن مجید کو دلیل کے طور پر پیش کیا‘‘ (۴۴)۔

۲۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے قرآنی محاضرات میں آغاز اسلام سے آج تک مسلمانوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے جملہ اسلامی علوم وفنون کو علوم القرآن اور تفسیر قرآن قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں:

> ’’علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام اور مفسرین اور مفکرین ملت نے گذشتہ چودہ سو سال کے دوران میں قرآن مجید کے حوالہ سے مرتب فرمائے ہیں۔ایک اعتبار سے اسلامی علوم وفنون کا پورا ذخیرہ قرآن مجید کی تفسیر سے عبارت ہے۔آج سے کم وبیش ایک ہزار سال قبل مشہور مفسر قرآن اور فقیہہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کے جتنے علوم وفنون ہیں،جن کا انہوں نے اس وقت اندازہ سات سو کے قریب لگایا تھا،وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ سنت رسول ﷺ کی شرح ہیں،اور سنت رسول ﷺ قرآن مجید کی شرح ہے۔
> اس اعتبار سے مسلمانوں کے سارے علوم وفنون علوم القرآن کی حیثیت رکھتے ہیں‘‘ (۴۵)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ’’اسلام سے وابستگی کا بھی یہی تقاضا ہے،وحدت علوم کا منطقی نتیجہ بھی یہی ہے، ،اور وحدت فکر اور تصور وحدت کائنات کا بھی یہی ثمرہ ہے کہ سارے علوم وفنون کو قرآن مجید سے وہی نسبت ہو جو پتوں کو اپنی شاخوں سے،شاخوں کو اپنے تنے سے اور تنے کو اپنی جڑ سے ہوتی ہے‘‘ (۴۶)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں: ’’. . . جب ہم علوم القرآن کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو دائرے ہوتے ہیں ایک نسبتاً تنگ اور چھوٹا دائرہ وہ ہے جس میں وہ علوم اور فنون شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر اور فہم سے ہے۔ . . علوم القرآن کا ایک اور نسبتاً وسیع اور بڑا دائرہ بھی ہے،اور وہ دائرہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں انسان کی وہ تمام فکری کاوشیں شامل ہیں جن کی سمت درست ہو اور جن کی اساس صحیح ہو۔یہ وہ دائرہ ہے جس میں آئے دن نئے نئے علوم و معارف شامل ہو رہے ہیں،اور جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔اس دائرہ میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے مسلمانوں نے اپنی فکری اور علمی سرگرمیوں میں کام لیا ہو،اور جو قرآن مجید کے بتائے ہوئے تصورات کے مطابق ہو،اور اس کی بنیادی تعلیم سے ہم آہنگ ہو‘‘ (۴۷)۔

اس کے بعد ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’جب مسلمان اپنے تمام موجودہ معاشرتی اور انسانی علوم کو از سر نو مدون کر لیں گے تو پھر وہ اسی طرح سے قرآن فہمی میں مددگار ثابت ہوں گے جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے معاشرتی

اور انسانی علوم نے قرآن فہمی میں مدد دی'' (۴۸)۔

۲۳۔ محترم ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے تفسیر کے رجحانات اور انداز وطرق کو علوم القرآن کا ایک اہم مضمون قرار دیا ہے چنانچہ محاضرات قرآنی میں فرماتے ہیں: ''علوم القرآن کا ایک اہم مضمون اسالیب مفسرین یا مناہج مفسرین بھی ہے۔ اس عنوان کے تحت اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر کے دوران میں کون کون سے اسالیب اور مناہج اختیار کیے ہیں۔ . . تفسیر قرآن کے دیگر مناہج کے علاوہ ادبی، فقہی، لغوی اور فلسفیانہ مناہج۔ . . کا مطالعہ بھی علوم القرآن میں شامل ہے'' (۴۹)۔

۲۴۔ محاضرات قرآنی کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے نظم قرآن کے سلسلہ میں نئی نئی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔ان کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا، مثلاً فرماتے ہیں:

الف۔ ''پنجاب کے مشہور شہر میانوالی کے قریب ایک گاؤں واں بچھراں کے ایک بزرگ مولانا حسین علی نے پوری زندگی قرآن مجید پر غور کیا۔ پھر اس طویل غور وخوص کے بعد انہوں نے ایک نیا سسٹم دریافت کیا جو سابقہ دریافت شدہ نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد ہے۔ان کے اس اسلوب کے مطابق ان کے شاگرد رشید مولانا غلام اللہ خان نے تفسیر جواہر القرآن مرتب کی جس میں اس پہلو پر بہت زور دیا گیا۔ان تمام اہل علم کے مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ یا ایک ایک کلمہ آپس میں اس طرح مربوط ہے جیسے کسی زیور میں موتی جڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک موتی کو بھی آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔اگر ایک موتی بھی ادھر سے ادھر کر دیا جائے تو زیور کے حسن میں فرق پڑ جاتا ہے'' (۵۰)۔

ب۔ ''اسی طرح ہمارے صوبہ سرحد میں صوابی کے ایک بزرگ نے قرآن مجید کے نظم کا ایک اور انداز دریافت کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ہر سورت کا ایک دعویٰ ہوتا ہے پھر بقیہ سورت اس دعوے کے شواہد اور دلائل پر مشتمل ہوتی ہے۔دلائل پر جو اعتراضات ہیں وہ بھی سورت میں شامل ہیں۔ پھر اعتراض کا جواب، پھر اس اعتراض پر اگر کوئی شبہ ہے تو اس شبہ کا ذکر اور شبہ کا جواب۔غرض پوری سورت ایک دعوے اور سلسلہ دلائل سے عبارت ہے اور انہوں نے ہر سورت پر اس تحقیق کو منطبق کر کے دیکھا ہے۔یہ بھی ایک غیر معمولی چیز ہے'' (۵۱)۔

۲۴۔ نظم قرآن پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مناسبت کی اصطلاح کو متقدمین اور نظام کی اصطلاح کو متاخرین کی اصطلاح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''. . . مناسبت کی اصطلاح متقدمین نے اختیار کی ہے۔نظام کی اصطلاح بعض متاخرین نے

اختیار کی ہے۔ خاص طور پر مولانا حمید الدین فراہی نے نہ صرف نظام کی اصطلاح اپنائی ہے بلکہ اس موضوع پر طویل عرصہ تک غور وفکر اور مطالعہ کے بعد انہوں نے اپنے تصور کو حتمی شکل دی۔ ان کی ایک کتاب ہے ''دلائل النظام''۔ اس میں انہوں نے اپنے دریافت شدہ نظام کی تفصیلات مثالیں دے کر بیان کی ہیں''(۵۲)۔

پھر فرماتے ہیں: ''ان اصطلاحات میں تھوڑا فرق ہے۔ مناسبت تو پورے نظام کا ایک حصہ ہے اور پورے system کو آپ نظام کہہ سکتی ہیں۔ گویا قرآن مجید کے کلمات کی، پھر آیات کی، پھر سورتوں کی ترتیب میں جو حکمت ہے یا system کارفرما ہے اس کا مجموعی نام تو ''نظام'' ہے اور اس کے اندر جو جزوی تفصیلات ہیں وہ مناسبت کہلاتی ہیں۔ ان دونوں (اصطلاحات) میں یہ لطیف فرق ہے۔ گویا نظام ایک عام اصطلاح ہے اور مناسبت اس کے ایک حصہ کا نام ہے''(۵۳)۔

۲۵۔ محاضرات قرآنی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے زیر گفتگو موضوع کے بعض پہلوؤں کو سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے امور سے توضیح کی ہے جیسے مکی سورتوں کے ایجاز کو سمجھانے کے لیے ٹیلی گراف کی مثال پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''چوتھی چیز جو بڑی اہم ہے اور خاص طور پر مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے، وہ قرآن مجید کا غیر معمولی ایجاز ہے۔ اگر چہ مدنی سورتوں میں بھی ایجاز کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں، لیکن مکی سورتوں کے ایجاز کی شان ہی اور ہے۔ اور بعض جگہ ایجاز اتنا ہے کہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف میں معانی کا سمندر پنہاں ہے۔ قرآن پاک کی مکی سورتوں کے ایجاز کو ٹیلی گراف یا تار برقی کی زبان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ٹیلی گراف زبان میں الفاظ بہت مختصر ہوتے ہیں، لیکن معانی وسیع ہوتے ہیں۔ بظاہر بہت ہی مختصر الفاظ میں ایک وسیع پیغام منتقل ہو جاتا ہے۔ مخاطب اور پڑھنے والا اس پیغام کے مفہوم، حقیقت اور پس منظر کو پورے طور پر سمجھ جاتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ اور ان میں کیا کہا گیا ہے؟

یہ تشبیہ ٹیلی گراف کی میں نے جان بوجھ کر اختیار کی ہے۔ اس لیے کہ جب آپ کسی کو یہ ٹیلی گرام دیں کہ send money یعنی رقم بھیج دو، تو بظاہر تو یہ صرف دو لفظ ہیں۔ لیکن ان دو لفظوں کا ایک تفصیلی پس منظر ہے۔ یہ بات صرف ٹیلی گرام کے مخاطب کو معلوم ہے کہ یہ پس منظر کیا ہے۔ اسی کو معلوم ہے کہ کیوں، اور کس مقصد کے لیے، اور کس کو اور کہاں، کب اور کتنی رقم بھیج دی جائے۔ یہ سب اس سیاق وسباق کی وجہ سے مخاطب کو پہلے سے معلوم ہے۔ اب صرف مختصر پیغام دیا گیا کہ رقم بھیج دو۔ لیکن اگر وہ ٹیلی گرام لا کر مجھے یا کسی اور غیر مخاطب کو دے دیا جائے اور اصل مخاطب کو نظر

انداز کر دیا جائے اور مجھ سے پوچھا جائے کہ اس پیغام سے کیا مراد ہے؟ تو میں لغت میں دیکھ کر تار کی عبارت کو لغوی مطلب تو ضرور بتا دوں گا، لیکن اس کی بقیہ تفصیلات میرے علم میں نہیں ہوں گی۔ وہ اصل مخاطب ہی کو معلوم ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رسول ﷺ کے ارشادات اور سنت رسول ﷺ میں بیان کردہ تعبیر و تشریح سے الگ کر کے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ ایسا ہی ہوگا کہ جیسے میں اس ٹیلی گرام کے تفصیلی اور حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کروں جو آپ کو بھیجا گیا ہے(۵۴)۔

مکی سورتوں کے ایجاز کی توضیح کے لیے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے سورۃ المدثر کی ان آیات کو پیش کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾.

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''یہاں ہر جملہ ایک ایک لفظ پر مشتمل ہے بالکل ٹیلی گرافک انداز کی زبان ہے۔ لیکن جملوں کے اولین مخاطب رسول ﷺ ہیں اور آپ ﷺ ہی کو معلوم ہے کہ یہاں کس لفظ سے کیا مراد ہے؟ حضور ﷺ نے ان میں سے ہر جملہ کی تفسیر فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تفسیر کو سمجھا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص آج اٹھ کر یہ کہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے سنت اور حدیث کی ضرورت نہیں ہے اور محض لغت کی مدد سے قرآن مجید کے معانی متعین کیے جا سکتے ہیں، یا وہ اپنے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سند سے آمدہ تعبیر اور تشریح سے مستغنی سمجھے، تو وہ شخص قرآن مجید کو اتنا ہی سمجھ سکے گا جتنا وہ شخص اس ٹیلی گرام کو سمجھتا ہے جو اس کا مخاطب نہیں ہوتا''(۵۵)۔

۲۶۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے اپنے محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے نظم اور اسلوب پر گفتگو کرنے والے کو نصیحت کی ہے کہ اسے درج ذیل پانچ چیزوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

۱۔ قرآن مجید میں اس کے بنیادی مضامین یکجا کیوں ہیں؟

۲۔ قرآن مجید کے مضامین غزل مسلسل کے انداز میں ہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ جو مختصر منظر کشی کی ہے وہاں قرآن مجید اس منظر کو یاد دلانا چاہتا ہے۔ اس کی واقعاتی تفصیلات بیان کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قرآن مجید انسانوں کی ہدایت اور عبرت کے لیے اتارا گیا ہے، اور اس کام کے لیے جزوی اور واقعاتی تفصیلات غیر ضروری ہیں۔

۴۔ قرآن مجید کا انداز خطیبانہ ہے، تالیفانہ نہیں۔ تقریری ہے، تحریری نہیں۔

۵۔ قرآن مجید کا اسلوب انتہائی ایجاز اور جامعیت کا ہے، اس کا انداز بلاتشبیہ ٹیلی گرافک زبان کا سا ہے۔

۲۷۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے درج ذیل دو باتوں کو اہمیت کا حامل قرار دیا ہے:

> ''ایک تو قرآن مجید کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو زبان و بیان کی بقیہ سب چیزوں سے منفرد ہے یہ نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے اور نہ خطابت ہے۔ دوسری چیز قرآن مجید میں یہ پیش نظر رکھی گئی کہ اس کی زبان اور انداز بیان کو اس کے مخاطبین اولین کے فہم سے قریب تر کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں عرب کے اسلوب کو قرآن مجید نے اپنایا وہیں اہل عرب کی اچھی عادات کو بھی تسلیم کیا۔ جہاں جہاں ان میں کمزوریاں اور خامیاں تھیں وہاں ان کمزوریوں اور خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی'' (۵۶)۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ: ''جیسے جیسے قرآن مجید مختلف اقوام میں جاتا جائے گا ان اقوام کی خرابیاں اور خوبیاں اسی طرح سے وحی الٰہی کی روشنی میں دیکھی اور جانچی جائیں گی جیسے قرآن مجید میں عربوں کی خوبیوں اور خرابیوں کو دیکھا گیا۔ اسی لیے قرآن مجید میں اہل عرب کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا عربوں کو کیس اسٹڈی کے طور پر لے کر قرآن پاک کے اصول و قواعد کو منطبق کر کے دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ آئندہ آنے والی اقوام کی خوبیوں اور کمزوریوں کو اسی طرح دیکھا جائے جیسے قرآن نے عربوں کی خوبیوں اور خامیوں کو دیکھ کر کھرا اور کھوٹا الگ الگ کر دیا ہے (۵۷)۔

۲۸۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے مختلف النوع اسالیب (۵۸) کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''............ان اسالیب میں کم و بیش ہر ایک کا نمونہ کلام عرب میں ملتا ہے۔ گویا کلام عرب میں حسن و خوبی اور فصاحت و بلاغت کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے، وہ سب کے سب بدرجہ اتم قرآن پاک میں موجود ہیں'' (۵۹)۔

۲۹۔ محاضرات قرآنی میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے موضوع اور اس کے اہم مضامین کو بہت عمدہ اور سہل انداز میں مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں دلیلاً چند ایک اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ ''تھوڑا سا غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب (یعنی قرآن مجید) کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ اس زندگی میں انسان کی اصلاح اور اخروی زندگی میں انسان کی فلاح کو کیسے یقینی بنایا جائے۔ پورے قرآن میں اسی بنیادی مضمون سے بحث ہوئی ہے۔ وہ تمام امور جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس زندگی میں انسان کی دائمی اور

حقیقی کامرانی کے لیے ضروری ہیں ان سب سے قرآن مجید میں بالواسطہ یا بلاواسطہ بحث کی گئی ہے۔ جو موضوعات ومباحث اس بنیادی مضمون سے زیادہ گہرا اور قریبی تعلق رکھتے ہیں ان سب سے اس کتاب میں زیادہ بحث کی گئی ہے اور جو مباحث اس مرکزی موضوع سے براہ راست اور زیادہ گہرا تعلق نہیں رکھتے ان سے زیادہ مفصل بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ صرف سرسری اشارے کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔لیکن قرآن مجید کے کسی صفحہ پر بھی کوئی ایک آیت بھی آپ کو ایسی نظر نہیں آئے گی جس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اس دنیاوی زندگی میں انسان کی اصلاح اور اس اخروی زندگی میں انسان کی فلاح سے نہ ہو۔ یہ ایک بنیادی چیز ہے جسے قرآن مجید کے ہر طالبعلم کے سامنے رہنا چاہیے''(٦٠)۔

۲۔ ''اب اگر قرآن مجید کا بنیادی مضمون یعنی دنیوی زندگی میں اصلاح اور اخروی زندگی میں فلاح آپ کے سامنے ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اس بنیادی مضمون سے بہت سے دوسرے موضوع منسلک ہیں۔اس سے بہت سی چیزوں کا تعلق بنتا ہے۔انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ گھریلو زندگی کیسی ہو؟ انسان کا تعلق اپنے پروردگار سے کیسا ہو؟ انسان کا اپنے ماحول سے کیسا تعلق ہو؟ انسان کے افکار وخیالات کیا ہوں؟ اس کا اپنے افکار اور خیالات کے ساتھ کیا رویہ ہو، انسان کے جذبات وعواطف اور اس کے احساسات کیا ہوں؟ یہ ساری چیزیں اس بنیادی مضمون سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔اس لیے قرآن مجید نے ان تمام موضوعات سے بحث کی ہے''(٦١)۔

۳۔ ''وہ مضامین جو قرآن مجید کے بنیادی موضوع سے گہرا تعلق رکھتے ہیں ان کو مختلف اہل علم نے مختلف انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضامین قرآن مجید کے اساسی موضوعات یا بنیادی مباحث قرار دیئے جاسکتے ہیں... ایک انداز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے۔... وہ ایک لفظ ''تذکیر'' کا استعمال کرتے ہیں جس کے معنی ہیں یاد دلانا، اور یہ لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ قرآن مجید نہ صرف سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہدایت الٰہی کی یاد دہانی ہے بلکہ خود قرآن مجید کے اپنے مضامین اور اساسی تعلیمات کی اس میں بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے۔اس لیے قرآن مجید کے مضامین کے سیاق وسباق میں تذکیر کا لفظ برمحل ہے''(٦٢)۔

۴۔ ''ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کردہ پانچ قرآنی علوم(٦٣) کی سہل تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ ہیں جن میں انہوں نے

قرآن مجید کے مضامین کو ایک خاص انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے'' (۶۴)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''ہم اپنی سمجھ کے مطابق اگر جائزہ لیں تو شاہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ کی طرح ہمیں بھی قرآن پاک میں پانچ بنیادی مضامین نظر آتے ہیں، ان پانچوں میں سے ہر مضمون قرآن مجید کے ہر صفحہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ موجود ہے، جس کا ہر قاری خود مشاہدہ کرسکتا ہے'' (۶۵)۔

ڈاکٹر غازی صاحب کے بیان کردہ پانچ قرآنی مضامین یہ ہیں:

۱۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ تزکیہ

۴۔ امم سابقہ کا ذکر ۵۔ موت اور مابعد الموت کا تذکرہ (۶۶)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ ان پانچ مضامین کے متعلقات کو سہل اور علمی انداز میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ ہیں قرآن مجید کے وہ بنیادی مضامین جو اس کے اصل موضوع سے براہ راست متعلق ہیں۔ یعنی انسان کی اس موجودہ زندگی میں اصلاح اور اس کی آئندہ زندگی میں فلاح کو کیسے حاصل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا جانشین کیوں کر بن کر دکھایا جائے'' (۶۷)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات قرآن پاک میں آئے ہیں۔ بعض جگہ طبی نوعیت کے مسائل ہیں۔ بعض جگہ ماحولیات کا تذکرہ ہے۔ یہ سارے مسائل بھی انہی پانچ مضامین کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہیں۔ اور بالآخر ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کا اصل موضوع انسان کے سامنے تازہ اور بیدار رہے (۶۸)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کے اس بیان سے جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات موجود ہیں۔ ان سے مطالعہ قرآن کی نئی نئی جہات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ جہات قرآنی تعلیمات سے متعلقہ ہوں یا دیگر نوعیت کے مسائل سے متعلقہ ہوں۔

۳۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی کتاب ''محاضرات قرآن'' کے خصائص میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اسے ہر دور کے لیے ضروری قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''ایک اعتبار سے تدریس قرآن مجید کی ضروریات اور تقاضے ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا کوئی دور ہو، اور اس کے تقاضوں اور ضرورت پر گفتگو نہ ہوئی ہو۔ اسلام کی ابتدائی بارہ صدیوں میں کوئی صدی ایسی نہیں گذری جب مسلمانوں کے نظام تعلیم اور ان کے نظام تربیت میں قرآن مجید کو بنیادی اور اساسی اہمیت حاصل نہ رہی ہو۔ پھر مختلف ادوار، مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ذہن میں جو سوالات وحی اور نبوت کے بارے میں پیدا ہوتے رہے ہیں وہ کم و بیش ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔ بلکہ وحی و نبوت اور حیات بعد الممات جیسے بنیادی عقائد کے بارے میں منکرین خدا جن شبہات و اعتراضات کا اظہار کرتے رہے ان کی حقیقت بھی ہر دور میں کم و بیش ایک جیسی ہی رہی ہے۔ . . ''(۶۹)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں ''یہی وجہ ہے کہ ایک اعتبار سے درس قرآن مجید کی ضرورت اور تقاضے ہمیشہ یکساں رہے ہیں:

زمانہ ایک ، حیات ایک ، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

یہ سمجھنا کہ جدید دور کے تقاضے اور ہیں اور قدیم دور کے تقاضے کچھ اور تھے، کم فہمی کی دلیل ہے۔ لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض خاص حالات میں، یا خاص زمانوں میں خاص ضرورتوں کے پیش نظر کسی وقت کسی پہلو سے کوئی ضرورت بڑھ جائے یا کم ہو جائے۔ ضرورتوں میں یہ کمی بیشی اور تقاضوں میں یہ جزوی ردوبدل ہوتی رہتی ہے'' (۷۰)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے ماضی کے مقابلہ میں حال میں قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کے عمل کو زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''آج ہمارے نظام تعلیم میں ایسا کوئی خودکار بندوبست نہیں ہے کہ اس کے نتیجے میں لوگ قرآن مجید سے اس طرح واقف ہو جائیں جس طرح کہ انہیں واقف ہونا چاہیے۔ ان حالات میں اس عوامی انداز کے درس قرآن کی یا نظام تعلیم سے ہٹ کر ایک خارجی نظام کے تحت قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کی اہمیت اب پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے'' (۷۱)۔

۳۱۔ محاضرات قرآنی میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے عصر حاضر میں ہم مسلمانوں میں پائی جانے والی ایک عام نوعیت کی خامی کی نشاندہی کی ہے، فرماتے ہیں:

''اب ہوتا یہ ہے جو بالکل درست نہیں ہے کہ ایک عالم کا درس قرآن ہوتا ہے، اس میں صرف

اس خاص مسلک کے لوگ ہوتے ہیں جو اس عالم کا اپنا فقہی یا کلامی مسلک ہوتا ہے۔ دوسرے مسلک کا کوئی آدمی حاضرین وسامعین میں موجود نہیں ہوتا۔ ترجمہ قرآن بھی اپنے مسلک ہی کے عالم کا مخصوص ہوتا ہے۔ یوں تو کسی ترجمہ یا تفسیر کو مخصوص کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ایک اعتبار سے بہتر اور مناسب یہی ہے جس سے آپ کا ذوق ملے اسی عالم کے ترجمہ اور تفسیر کو آپ پڑھ لیں۔ لیکن اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ فلاں ترجمہ اور تفسیر ہی کو پڑھا جائے، اس کے علاوہ کسی اور ترجمہ یا تفسیر کو نہ پڑھا جائے تو یہ بات غلط ہوگی۔ کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کو زبردستی اپنے ذوق پر جمع کرے" (۷۲)۔

۳۲۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا درس دینے والوں کے لیے یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ پہلے قرآن مجید کے الفاظ پڑھیں پھر ان کا ترجمہ بیان کریں، صرف ترجمہ پڑھنے اور اسے بنیاد بنا کر درس قرآن دینے پر اکتفا کر لینا مناسب نہیں ہے، فرماتے ہیں:

"درس قرآن میں بنیادی چیز قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی تلاوت ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کی کہ کبھی درس قرآن میں متن کی تلاوت کرنے کے بجائے صرف ترجمہ پڑھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک مشہور دینی شخصیت کو دیکھا کہ وہ صرف ترجمہ کی مدد سے درس قرآن دے رہے تھے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب لگی اور انتہائی ناگوار محسوس ہوئی کہ اصل درس تو قرآن مجید کا دینا مقصود ہے۔ لیکن اکتفاء ترجمہ پر کیا جارہا ہے۔ کم از کم پہلے قرآن مجید کے الفاظ کی تلاوت کی جائے۔ لوگوں کو اس کے الفاظ سے مانوس کروایا جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ لوگ جس حد تک سمجھ سکیں اس کو سمجھیں اور یہ بھی کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے (۷۳)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: "اگر آپ کے مخاطبین اردو زبان اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں تو ان کے لیے بغیر عربی زبان سیکھے بھی قرآن مجید کے عمومی مفہوم کو کم از کم ۵۰ فی صد سمجھ لینا آسان ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے بھی الفاظ آئے ہیں ان میں جو مادے استعمال ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے ۱۵۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں ۱۴۰۰ سے زائد مادے وہ ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۴۰۰ مادے اگر پڑھنے والے کے ذہن میں رہیں تو قرآن مجید کا عمومی مفہوم اس کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور بار بار ترجمہ پڑھنے اور بار بار درس سننے سے خود بخود ایک ذوق اور فہم پیدا ہو جاتا ہے" (۷۴)۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے زیر گفتگو مسئلہ کی توضیح کے لیے سورۃ الفاتحہ میں استعمال ہونے والے پندرہ عدد الفاظ

کی نشاندہی کی ہے،فرماتے ہیں:

"مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ میں حمد، رب، عالمین، رحمٰن، رحیم، مالک، یوم، دین،عبادت، استعانت، ہدایت،صراط مستقیم،انعام،غضب،ضلال۔ یہ سب الفاظ عام طور پر معروف ہیں۔ان میں سے کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اردو میں استعمال نہ ہوتا ہو۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کے بیشتر الفاظ کسی نہ کسی صیغہ میں اردو زبان میں مستعمل ہیں۔اگر انہیں نمایاں کر دیا جائے تو پڑھنے والا بڑی آسانی سے قرآن مجید کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے(۷۵)۔

۳۳۔ محاضرات قرآنی میں قبلہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مخاطبین کی سطح، ذوق اور ضرورت کے مطابق دین کی تعلیم و تدریس کے عمل کو انجام دینا ان کے لیے سودمند بھی ہے اور ایسا کرنا سنت رسول ﷺ بھی ہے،فرماتے ہیں:

"۔ ۔ ۔اگر مخاطبین کی سطح اور ان کا ذوق دیکھ کر تفسیر کا انتخاب کریں تو ان کے لیے زیادہ آسان اور مفید ہوگا۔اس لیے اگر مقصد دین اور شریعت کی تعلیم ہے تو پھر مخاطب کی ضرورت کا خیال رکھنا سنت رسول ﷺ میں شامل ہے۔رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ سوال کرنے والے کی سطح اور پس منظر کے مطابق جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے مختلف مواقع پر رسول ﷺ سے سوال کیا کہ بہترین عمل کون سا ہے تو آپ ﷺ نے مختلف جوابات عطا فرمائے اور ہر ایک کی ضرورت کو مدنظر رکھا"(۷۶)۔

مقالہ ہذا کا اختتام قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی درج ذیل ناصحانہ باتوں سے کرتے ہیں جنہیں انہوں نے محاضرات قرآنی کے آخری محاضرہ کے آخیر میں سامعات سے کیا،فرماتے ہیں:

"اپنے مخاطبین میں قرآن مجید کے متن سے وابستگی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کام اس وقت زیادہ آسانی سے ہوسکتا ہے جب مخاطبین اور طلبہ قرآن مجید کے بیشتر حصہ کے حافظ اور اس کے الفاظ سے اچھی طرح مانوس ہوں۔آج کل یہ کام بہت آسان ہوگیا ہے۔ بڑے بڑے قراء کے کیسٹ موجود ہیں۔قوت سماعت سے کام لیں، بار بار سننے سے لہجہ بھی درست ہو جائے گا۔اور بہت سا حصہ قرآن مجید کا حفظ بھی ہو جائے گا۔ بہت آسانی کی بات میں نے اس لیے کی ہے کہ آج کل ہمارے ہاں ماہرین حفظ کی ایک سعودی ٹیم آئی ہے جس نے کوئی خاص تکنیک ایجاد کی ہے کہ وہ ایک ماہ میں بچہ کو پورا قرآن مجید حفظ کروا دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ تمام جدید مشینری استعمال کرتے ہوں گے۔اور بچے کی بھی ساری قوتیں استعمال کی جاتی ہوں گی۔اس سے یہ

ضرور اندازہ ہوا کہ جدید وسائل سے کام لے کر قرآن مجید کو بہت اچھی طرح سیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے"(۷۷)۔

نتائج

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے "محاضرات قرآنی" کے تعارف اور خصائص بیان کرنے کے بعد جو ممکنہ نتائج سامنے آئے ہیں ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ علوم القرآن نے عہد رسالت سے عصر حاضر تک ایک خاص تسلسل کے ساتھ اپنے تدریجی و ارتقائی مراحل طے کیے ہیں اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ قرآن مجید ام العلوم ہے جب تک یہ کتاب باقی رہے گی اس وقت تک اس کے اندر سے اصحاب فہم فراست اور عقل و دانش اپنے غور وفکر اور تدبر و تفکر کے ہتھیار سے اس کے اندر سے علوم نکالتے رہیں گے (اِن شاء اللہ)۔

۲۔ محاضرات قرآنی اصل میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ محترمہ عذرا فاروقی رحمہا اللہ کے احساس کا نتیجہ ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر غازی صاحب کے دس عدد محاضرات قرآنی کا اسلوب تقریری، داعیانہ اور خطیبانہ ہے نہ کہ عالمانہ اور محققانہ۔

۴۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے محاضرات کا آغاز تصور جہاد سے کیا ہے جسے مٹانے کے لیے اغیار ہی نہیں بلکہ اپنے کلمہ گو حضرات بھی کوشاں ہیں۔

۵۔ عصر حاضر میں قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کے مروجہ طریقوں کا بغور جائزہ لیا جائے تاکہ ان میں بہتری پیدا ہوسکے۔

۶۔ اگر کوئی غیر مسلم قرآن مجید بغور پڑھے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ جتنا قرآن مجید مسلمانوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح کافر کے لیے بھی ضروری ہے۔

۷۔ تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں۔ انسان صرف اسی چیز پر تحقیق کرسکتا ہے جسے وہ مسخر کرسکے۔

۸۔ انسانیت پر قرآن مجید کے لاتعداد احسانات ہیں اور یہ مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے۔

۹۔ قرآن مجید کے تعلیمی و تدریسی عمل میں طلبہ اور عام مخاطبین کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

۱۰۔ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ درس کے دوران مخاطبین کے نفوس کا تزکیہ کرے، اوران کے عقائد واعمال کی اصلاح کرے۔

۱۱۔ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ جملہ اسلامی علوم سے آگاہ ہو، کیونکہ قرآن مجید خودام العلوم ہے اور دیگر علوم اس کے محتاج ہیں۔

۱۲۔ انسان کے ذوق، مزاج اور مطالعہ کی نوعیت ورغبت کے پیش نظر اسے معالعہ کتب کا مشورہ دینا چاہیے۔

۱۳۔ قرآن مجید عمومیت وشمولیت، اکملیت اور آفاقیت جیسی اعلیٰ وابدی صفات وخصائص کا حامل ہے۔

۱۴۔ قرآن مجید کی تفسیر کا بہت بڑا حصہ آغاز ہی سے ملت اسلامیہ کے اجتماعی طرز عمل سے منتقل ہوتا آرہا ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

۱۵۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرنا ایک مشکل کام ہے۔اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو قرآن مجید کی تفسیر کرنے والے کے لیے ہیں۔

۱۶۔ قرآن مجید کی تفسیر کے رجحانات کی تعداد کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔انسانی ذہن کے ساتھ ساتھ نئے نئے رجحانات پیدا ہوتے رہیں گے۔

۱۷۔ قرآن مجید کے علوم اوراس کی تفسیر کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے موضوعات کی کمی نہیں ہے۔

۱۸۔ مسلمانوں نے حسب ضرورت دیگر مذاہب کی کتب سے مواد کو استعمال کیا ہے، جبکہ دیگر مذاہب اس وسعت قلبی سے محروم ہیں۔

۱۹۔ مسلمانوں نے جتنے بھی علوم فنون ایجاد کیے ہیں ان سب کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے قرآن مجید کے علوم اوراس کی تفسیر سے ہے۔

۲۰۔ قرآن کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو زبان و بیان کی بقیہ سب چیزوں سے منفرد ہے۔ یہ نہ شعر ہے، نہ کہانیت اور نہ خطابت۔

۲۱۔ کلام عرب میں حسن وخوبی اور فصاحت و بلاغت کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے وہ سب کے سب بدرجہ اتم قرآن مجید میں موجود ہیں۔

۲۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید کے پانچ علوم یہ ہیں: علم الاحکام، علم المخاصمہ علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ، علم التذکیر بالموت و مابعد الموت"۔ جبکہ ڈاکٹر محمود احمد غازی ؒ کے

نزدیک قرآن مجید کے علوم پنجگانہ یہ ہیں: عقائد، احکام، تزکیہ، امم سابقہ کا ذکر، اور موت و مابعد الموت کا تذکرہ۔

۲۳۔ قرآن مجید کی تدریس و تعلیم ہر دور کے انسانوں کے لیے ضروری ہے۔

۲۴۔ قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے الفاظ پڑھے اور پڑھائے۔ صرف ترجمہ قرآن پر اکتفا نہ کرے۔

۲۵۔ مخاطبین کی فہم و فراست کی سطح کے مطابق دین کی تعلیم دینا سنت رسول ﷺ ہے۔

۲۶۔ عصر حاضر کے مسلمانوں کو قرآن مجید سے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو ہر لحاظ سے دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اقوام عالم پر غلبہ حاصل کیا جا سکے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سورۃ العلق (۹۶): ۱۔

(۲) سورۃ الجمعۃ (۶۲): ۲۔

(۳) الفہرست، ابن ندیم، ابو الفراج محمد بن اسحاق (م ۳۸۵ھ)، ص ۵۵۔

(۴) دیکھیے: دیباچہ الاتقان فی علوم القرآن بنام "علوم القرآن" از محمد عبد الحلیم چشتی، مترجم: محمد عبد الحلیم انصاری، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن۔

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: سابق حوالہ، ص ۵۸، علم تفسیر اور مفسرین از ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ص ۱۶، ۱۸، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

(۶) مناہل العرفان، از زرقانی، ج ۱، ص ۲۸۔

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، سابق حوالہ ج ۱، ص ۵۹، تاریخ تفسیر از شیخ قاسم القیسی ص ۵۳، میزان الاعتدال فی نقد الرجال از حافظ شمس الدین الذہبی، ج ۲، ص ۵۹، ۶۰، تاریخ تفسیر از عبد الصمد صارم، ص ۵۴۔

(۸) ایضاً، بحوالہ دمیری، حیاۃ الحوان، ج ۱، ص ۲۳۰۔

(۹) طبقات المفسرین از الداودی، ج ۱، ص ۱۴۱، تحقیق علی محمد عمر، مصر، ۱۹۷۶ھ۔

(۱۰) مباحث فی علوم القرآن، صبحی صالح، ص ۱۱۲، بیروت ۱۹۶۸ء۔

(۱۱) دیکھیے: کتاب المنتظم، ابن الجوزی، ج ۶، ص ۳۸۸، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ۔

(۱۲) قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص ۵۷، مناہل العرفان، ج ۱، ص ۲۸۔

(۱۳) مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۷۶۔

(۱۴) تذکرۃ المفسرین، اردو تفاسیر، ص ۱۶، ۱۷۔

(۱۵) تذکرہ المفسرین، ص ۵۴۔

(۱۶) نزھۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۶۳۔

(۱۷) تذکرہ علماء ہند، ص ۳۵، حدائق حنفیۃ، ص ۳۱۷، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر زبیر احمد، ص ۴۵۵۔

(۱۸) قرآن مجید کی تفسیریں، ص ۹۲، بحوالہ مقامات مظہری از مولانا غلام علی امجدی، اردو تفاسیر (کتابیات) مرتب: جمیل احمد نقوی، ص ۲۵، برصغیر میں اردو زبان میں لکھی جانے والی کتب تفسیر کی معرفت کے لیے ملاحظہ کیجئے: علم تفسیر اور اس کا ارتقاء (۲)، یونٹ نمبر ۶، ۷، ۸، ۹، از ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(۱۹) تذکرہ المفسرین از زاہد الحسینی، ص ۱۰۔

(۲۰) محاضرات قرآنی، ص ۷، قبلہ ڈاکٹر صاحب کی یہ ہمشیرہ محترمہ ان کی وفات سے قبل انتقال کر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے اور ہم تمام لوگوں کو ان کے فیض سے نوازے۔ امین یا رب العالمین۔

(۲۱) ایضاً، ص ۹۔

(۲۱ الف) محاضرات قرآنی، ص ۱۵۔

(۲۲) محاضرات قرآنی، ص: ۱۵۔

(۲۳) تفصیل کے لئے دیکھیے: سابق حوالہ ص: ۱۵ و مابعدھا۔

(۲۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے سابق حوالہ ص: ۱۶ و مابعدھا۔

(۲۵) محاضرات قرآنی، ص: ۱۷۔

(۲۶) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سابقہ حوالہ۔

(۲۷) محاضرات قرآنی، ص ۱۸۔

(۲۸) مزید تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے: سابق حوالہ ص ۱۹ و مابعدھا۔

(۲۹) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سابق حوالہ ص: ۲۴ و مابعدھا۔

(۳۰) ایضاً س ۲۹، ۳۰۔

(۳۱) تفصیل کیلئے دیکھیے: سابق حوالہ ص ۳۲، ۳۴۔

(۳۲) ایضاً، ص ۳۴۔

(۳۳) ایضاً، ص ۴۳۔

(۳۴) ایضاً، ص ۴۴۔

(۳۵) ایضاً۔

(۳۶) ایضاً۔

(۳۷) ایضاً۔

(۳۸) ایضاً۔

(۳۹) ایضاً،ص۸۲۔

(۴۰) ایضاً،ص۱۵۵۔

(۴۱) ایضاً،ص۱۶۰۔

(۴۲) ایضاً ص۱۵۵۔

(۴۳) ایضاً ص۱۵۵،۱۵۶۔

(۴۴) ایضاً ص۱۵۶۔

(۴۵) ایضاً،ص۱۶۱۔

(۴۶) ایضاً،ص۱۶۱،۱۶۲۔

(۴۷) ایضاً،۱۷۴۔

(۴۸) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۴۹) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۵۰) ایضاً،ص۱۸۹۔

(۵۱) ایضاً،ص۳۹۳۔

(۵۲) ایضاً،ص۳۹۳،۳۹۴۔

(۵۳) ایضاً،ص۳۹۴۔

(۵۴) ایضاً،ص۱۹۳،۱۹۴۔

(۵۵) ایضاً،ص۲۲۶،۲۲۷۔

(۵۶) ایضاً ۲۲۷۔

(۵۷) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: محاضرات قرآنی،ص۲۲۹،۲۳۰۔

(۵۸) ایضاً،ص۲۳۰۔

(۵۹) واقعہ کے لیے دیکھئے: کتاب مذکور،ص۲۳۰،۲۳۱۔

(۶۰) ایضاً،ص۲۳۱۔

(۶۱) ایضاً،ص۲۳۴۔

(۶۲) ایضاً،ص۲۶۰،۲۶۱۔

(۶۳) ایضاً،ص۲۸۳۔

(۶۴) ایضاً،ص۲۸۳۔

(۶۵) ایضاً،ص۲۸۴۔

(۶۶) ایضاً۔

(۶۷) ایضاً،ص۲۸۷۔

(۶۸) ایضاً،ص۳۲۲،۳۲۳۔

(۶۹) ایضاً،ص۳۲۳۔

(۷۰) ایضاً،ص۳۲۳۔

(۷۱) ایضاً۔

(۷۲) ایضاً،ص۳۲۷۔

(۷۳) ایضاً،ص۳۲۸۔

(۷۴) ایضاً،ص۳۳۰،۳۳۱۔

(۷۵) سابق حوالہ،ص۳۲۱۔

(۷۶) اسالیب قرآن میں سے کچھ یہ ہیں: التفات، تصریف الآیات، حذف، ایجاز، تفصیل بعد الاجمال، عود علی البدء، تمثیلات، تقابل، قسم اور جملہ معترضہ (ان میں سے ہر ایک اسلوب کے تعارف کے لیے دیکھئے: محاضرات قرآنی ص۳۳۲، و مابعدھا۔

(۷۷) ایضاً،۳۴۱۔

(۷۸) ایضاً،ص۳۴۸،۳۴۹۔

(۷۹) ایضاً،ص۳۵۲۔

(۸۰) ایضاً،ص۳۵۲،۳۵۳۔

(۸۱) شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان کردہ پانچ قرآنی علوم (علوم پنجگانہ) یہ ہیں: علم الأحکام، علم المخاصمہ، علم التذکیر بالآء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ، علم التذکیر بالموت و مابعد الموت (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر باب اول)۔

(۸۲) محاضرات قرآنی،ص۳۵۷۔

(۸۳) ایضاً،ص۳۵۷۔

(۸۴) ان مضامین کی تشریح و توضیح کے لیے دیکھئے: محاضرات قرآنی،ص۳۵۷ تا ۳۷۳۔

(۸۵) ایضاً،ص۳۷۳۔

(۸۶) ایضاً،ص۳۷۳۔

(۸۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ،ص ۳۷۷،۳۷۸۔

(۸۸) ایضاً،ص ۳۷۸۔

(۸۹) ایضاً،ص ۳۷۹۔

(۹۰) ایضاً،ص ۳۹۱۔

(۹۱) ایضاً،ص ۳۹۵۔

(۹۲) ایضاً۔

(۹۳) ایضاً۔

(۹۴) ایضاً،ص ۴۰۳۔

(۹۵) ایضاً،ص ۴۰۳۔